رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ لے
سہ ماہی ۔۔۔۔۔۔۔۔
ششماہی ۔۔۔۔۔۔۔۔

قیمت پرانا پرچہ ۲ر/ ۱م

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ لے
ششماہی ۔۔۔۔۔۔۔۔
سہ ماہی ۔۔۔۔۔۔۔۔

قیمت فی پرچہ (۲ر)

جلد ۳ | ۱۸ آبان ۱۳۵۳ف | ۵ شوال ۱۳۶۳ھ | ۲۳ ستمبر ۱۹۴۴ء شنبہ | نمبر ۳۲

مابعد جنگ معاشی منصوبہ بندی

زرعی تنظیم مقدم ہے

از

آر۔ وسویسور راؤ

معاشی منصوبہ بندی کے مقاصد سے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک مکتب خیال کی رائے ہے کہ اس کا مقصد تحفظ ہے یعنی مراعات کا تحفظ۔ دوسرا گروہ خیال کرتا ہے کہ منصوبہ بندی معاشی آزادی پر حد بندی کرتا ہے اس کا مقصد دراصل زیادہ سے زیادہ سماجی بہبود ہونا چاہئے۔ جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے ہماری غذا کا معیار غذائیت کی سطح سے بہت نیچے ہے اور بہت سے افراد ایسے ہیں جنہیں غذا دستیاب نہیں ہوتی۔ اس لئے ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ عوام کو احتیاجات سے آزادی دلائیں اور ان کے لئے صحیح قسم کی غذا فراہم کریں۔

اس وقت ہندوستان کی امیدیں منصوبہ بندی پر منحصر ہیں۔ اگر منصوبہ بندی ناکام رہے تو لاکھوں کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ معاشی منصوبہ بندی کے ذریعہ سوویٹ روس نے حیرت انگیز کارنامے انجام دئے۔ مابعد جنگ معاشی تنظیم میں بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشیات جنگ کو معاشیات امن میں بجائے تبدیل کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان مزدوروں کی کثیر تعداد پر بھی نظر رکھا جائے جو جنگ کے کاموں میں اس وقت مصروف ہیں اور ختم جنگ کے بعد ان کی بہت بڑی تعداد بیکار ہو جائے گی۔ اس لئے اکثر لوگ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تعمیرات کا ایک پروگرام شروع کیا جائے جس کی افادیت دوامی ہو اور جس کے ذریعہ عوام کی قوت خرید میں اضافہ ہو سکے۔ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جو مزدور جنگی کاموں میں مصروف ہیں ختم جنگ کے بعد ان کی کھپت صنعتوں میں ہو سکے۔ اس لئے جو صنعتیں دوران جنگ ساہیں وجود میں آئی ہیں ان کا تحفظ ضروری ہے۔ اور جو اشیاء باہر سے درآمد ہوتی ہیں ان کی تیاری کا خود ہندوستان میں انتظام ہونا چاہئے۔ جو روپیہ کاروبار میں لگایا جائے اگر اس پر کافی نگرانی رکھی جائے تو مشنری کی تیاری کے لئے کافی سرمایہ اور وسائل دستیاب ہو سکتے ہیں کاروبار میں لگائے جانے والے سرمایہ پر موثر نگرانی رکھنے سے اہم صنعتیں نشوونما پا سکتی ہیں۔ پرنسپل شاہ اپنی کتاب "مابعد جنگ کساد بازاری اور اس سے نجات کا راستہ" میں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اگر سرمایہ بذریعہ لیوی حاصل کیا جائے تو وہ افراد زر باقی نہ رہے گا جو جنگ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ جنگ کے بعد جو کساد بازاری شروع ہوگی اس کے مضر اثرات مٹ جائیں گے۔

پہلا قدم

منصوبہ بندی کا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ اجناس خوردنی کی پیداوار میں اضافہ کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

ہماری غذائی کیفیت اطمینان بخش نہیں ہے۔ جیسا کہ غذائیت پر جمعیت اقوام کی رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کم آمدنی والے طبقوں کی اقل ترین غذائی ضروریات کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے

زیادہ غذائی اجناس کی پیداوار ہماری زرعی پالیسی کی ایک مستقل خصوصیت رہنی چاہئے۔ ہمیں صحیح قسم کے اجناس خوردنی کی پیداوار پر پوری توجہ کرنی چاہئے تاکہ لوگوں کو جو ناقص غذا ملتی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ ڈاکٹر رادھا کمال مکرجی حرارہ کے معیار پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سنہ ۱۹۳۵ء میں ہندوستان کے (۴۵) ملین باشندوں کے لئے غذا کی قلت تھی۔ ایک اوسط آدمی کے لئے روزانہ (۲۰۰۰) حراروں کی ضرورت ہے۔ آبادی میں اضافہ کے تناسب سے غذائی پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر مکرجی کے خیال کے مطابق آج ہندوستان کے (۴۸) ملین افراد کے لئے غذا کی قلت ہے۔

زرعی معقولیت، ذرائع حمل و نقل، زراعت کے ترقی یافتہ طریقے وغیرہ یہ سارے سوالات اپنی جگہ اہم ہیں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایک جامع زرعی تنظیم اسی وقت اہمیت رکھتی ہے جبکہ ایک ہمہ گیر معاشی منصوبہ بندی کو روبہ عمل لایا جائے

صنعتی تنظیم

ہر معاشی منصوبہ بندی میں پیداوار خام صنعتی وسائل اور جنگلات کو نشوونما دینا ضروری ہے جب تک ایسا نہ ہو عوام کے لئے مکمل پیشے فراہم نہیں ہو سکتے۔ ہمارے پروگرام میں بڑے پیمانہ کی صنعتوں چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں اور گھریلو صنعتوں کے لئے مناسب جگہ دی جانی چاہئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پورے ہندوستان کو مکمل طور پر صنعتی بنایا جائے۔ مگر یہ بات پیش نظر رہے کہ ہندوستان میں مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہمارا مسئلہ محنت بچانا نہیں بلکہ مزدوروں کی کھپت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کی ترقی دینا کرنے کی ایک مفید پالیسی مدون کرنا ہے جس سے قوت خرید پیدا ہو اور حمل و نقل کے ذرائع کو وسعت دینا بھی ضروری ہے۔

پروفیسر آر۔ کے۔ ثانی بیان کرتے ہیں کہ زیر بقیہ

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱۰)

مملکت ہفتہ وار

جلد۲	۱۸ آبان ۵۴ف	نمبر۲۴

حیدرآباد کا مابعد جنگ لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے

"تنظیم مابعد جنگ" ایک ایسا فقرہ ہے جو آج کل زبان زد خاص و عام ہے۔ حکومت سرکار عالی نے آنریبل مسٹر غلام محمد کی تحریک پر اس نام کا ایک محکمہ بھی قائم کردیا ہے۔ کئی اور متعدد کمیٹیاں جن میں بعض ماہرین بھی شریک ہیں گزشتہ ایک سال سے کام کررہی ہیں۔ ان کمیٹیوں کی روئداد ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ بالآخر کیا کچھ عمل تجویز ہونے والا ہے۔ اب جبکہ جنگ کا خاتمہ قریب تر نظر آرہا ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بہی خواہان ملک اس مسئلہ پر اپنے خیالات عامیانہ اور غیر ماہرانہ ہی سہی پیش کردیں

ہم نے اس موضوع پر حالیہ لٹریچر پڑھا ہے اور دو حصوں میں جو نظریات پیش کئے گئے ہیں ان کو مقامی حالات پر منطبق کرنے کی ذہنی کوشش ابھی کی ہے۔ اس کوشش کے نتائج کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پیٹ بھر کھانا

مملکت آصفیہ کی آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ ہے اور ہر سال پانچ لاکھ نفوس کا اضافہ ہورہا ہے۔ پس مابعد جنگ منصوبہ بندی کا سب سے پہلا جزو یہ ہونا چاہئے کہ غذا کی فراہمی کا ایسا انتظام ہو جو بڑھتی ہوئی آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لئے کافی ہوسکے۔ حکومت کو چاہئے کہ اپنے منصوبوں میں دو کروڑ انسانوں کی غذا کی فراہمی کا لحاظ رکھے۔ دوسرے الفاظ میں سقامت ہنگام کے زمانہ میں بھی اندرون ممالک محروسہ تیس لاکھ ٹن غلہ پیدا ہو۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ:۔

(۱) بہتر تخم، بہتر کھاد، اور بہتر ذرائع آبپاشی کے ذریعہ اراضی کی قوت پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔

(۲) پرپوک اور خارجی کھانڈ وغیرہ جیسی زمینات کو جو فی الوقت ناقابل کاشت سمجھ کر افتادہ حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے اس قابل بنایا جائے کہ کاشتکار انہیں پٹہ پر حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔ یہ کام حکومت ہی کرسکتی ہے ورنہ کوئی کاشتکار غیر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے اسقدر سرمایہ لگانے تیار نہ ہوگا۔ چونکہ مملکت کا مفاد اس کا متقاضی ہے کہ ان زمینات کو قابل کاشت بنایا جائے اس لئے ابتدائی سرمایہ حکومت ہی کو لگانا پڑے گا۔

(۳) قدرت کی فیاضی سے سرزمین دکن میں بہت سی ندیاں بہتی ہیں جن کا پانی فی الوقت خلیج بنگال کی نذر ہوجاتا ہے۔ ان سے استفادہ نہ کرنا صریح کفران نعمت ہے۔ نواب علی نواز جنگ بہادر نے حکومت کے آگے آبپاشی کی متعدد اسکیمیں پیش کردی ہیں جن پر شاید اب تک غور نہیں کیا گیا۔ دریائے کرشنا کے پانی سے استفادہ کرنے کے لئے نواب علی نواز جنگ بہادر نے دو اسکیمیں پیش کی ہیں۔ ایک ضلع گلبرگہ میں خزانہ آب کی تعمیر کے لئے اور دوسری اضلاع نلگنڈہ اور ورنگل کی سرحد پر۔ ان کے علاوہ دریائے گوداوری سے استفادہ کی اسکیم بھی نواب صاحب نے مرتب فرمائی ہے۔ تنگبھدرا کی اسکیم سے تقریباً ہر حیدرآبادی اچھی طرح واقف ہے۔ ان چار بڑی اسکیموں کے علاوہ مانیرا اور مانجرا کی اسکیمیں بھی تیار ہیں۔ اگر ان ساری اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے تو نہ صرف پانی افراط سے دستیاب ہوگا بلکہ برقی قوت کی تولید بھی اس افراط سے ہوگی کہ کوئی صنعتی اسکیم ناکام نہ ہوسکے گی۔

(۴) مولوی سید عارف الدین صاحب نے باولیوں کے ذریعہ آبپاشی کا جو مبسوط لائحہ عمل تیار کیا ہے اس کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسی اسکیم ہے جس سے آبپاشی اور آب نوشیدنی دونوں مسائل بڑی حد تک بوقت واحد حل ہوسکیں گے۔

(۵) ممالک محروسہ میں مونگ پھلی کی کاشت بہت کافی ہوتی ہے مگر ملک کی بدقسمتی ہے کہ مونگ پھلی کی کھلی جو بہترین کھاد سمجھی جاتی ہے ہر سال ایک بڑی مقدار میں مدراس اور میسور کو برآمد کردی جاتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملتا۔

مختصر یہ کہ کافی غذا کی فراہمی کے ضمن میں امور بالا کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حالیہ جنگ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ غذا کی درآمد کا دروازہ بند ہوتے ہی ملک میں ایک عجیب ہڑبونگ پیدا ہوگئی۔ اب جبکہ ہندوستان کی آئندہ دستوری تشکیل میں ایک سے زیادہ حکومتوں کا قیام تقریباً یقینی معلوم ہوتا ہے حکومت سرکار عالی کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح حیدرآباد کو غذائی معاملات میں خود مکتفی بنا سکتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ برما کی آئندہ حکومت لازمی طور پر حیدرآباد کو چاول یا پاکستان کی حکومت گیہوں روانہ کرے۔ پس ضرورت ہے کہ حیدرآباد میں چاول، گیہوں، گڑ، اور شکر کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

زرعی مویشی، دودھ دینے والی گائیں اور بھینسیں نیز بکرے مرغ وغیرہ بھی آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر ناکافی پائے گئے جس کی وجہ سے دودھ، گھی، گوشت، مرغ، انڈے نیز ترکاریاں بوجہ قلت اتنے گراں داموں پر فروخت ہوئیں کہ ادنیٰ متوسط تو کجا متوسط طبقے بھی روز مرہ زندگی کے ان ضروری اجزاء سے محروم ہونے پر مجبور ہوگئے۔ کیا حکومت ان حالات کی تکرار کو روک نہیں سکتی ہمیں توقع ہے کہ تنظیم مابعد جنگ کا محکمہ ان مسائل سے غافل نہیں ہوگا۔

ہزارہا دیہات ایسے ہوں گے جہاں پینے کے لئے صاف اور صحت بخش پانی اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے جس کے نتیجہ کے طور پر مختلف امراض کا پھیلنا ناگزیر ہے۔ تنظیم مابعد جنگ کے پروگرام میں باولیوں کی کھدائی ایک اہم جزو ہے تو یہ دقت رفع ہوجائے گی۔

تن ڈھانکنے کو کپڑا

غذا اور پانی کے بعد تن ڈھانکنے کو کپڑا چاہئے۔ مملکت آصفیہ میں کپاس کا رقبہ اتنا کافی ہے کہ اگر اس کپاس سے استفادہ کیا جائے تو کپڑا کافی اور سستے داموں ہر کس و ناکس کے لئے مہیا ہوسکے گا۔ ہم اس مسئلہ میں گاندھی جی کی طرح ہاتھ پسند واقع ہوئے ہیں۔ مگر ملوں سے زیادہ ہم چرخے کے ہیں اور کھادی پر چار سنگھ کی مصروفیتوں کو قابل تحسین سمجھتے ہیں۔ چرخہ غریبوں کے لئے غذا بھی مہیا کرتا ہے اور کپڑا بھی۔ ملک کی لاکھوں بیواؤں اور یتیموں کا یہ سہارا ہوسکتا ہے۔ پس دستی پارچہ بافی کی صنعت کو مابعد جنگ تنظیم میں کونسا مقام دیا جائے اور حکومت کس طرح اس کی سرپرستی کی جائے ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ شہری ضروریات کے لئے البتہ اعلیٰ قسم کا گرانی کا کپڑا فراہم کیا

جا سکتا ہے کہ کپڑے کا بازار جس کو فی الوقت مدراس اور بمبئی نے اپنا بنا رکھا ہے وہ اہل حیدرآباد کے ہاتھ آجائے۔ اور ایسا ہونا قطعاً ناممکن نہیں بشرطیکہ ہمارے سرمایہ دار اپنے منافع سے زیادہ ہندوستان کی سربراہی اور مزدوروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں۔ یہ کام پند و نصیحت سے تکمیل نہیں پا سکتا اس کے لئے قانون کی قوت چاہئے۔

سر چھپانے کو آسرا

غذا، پانی اور کپڑے کے بعد ہر شخص کو سر چھپانے کے لئے ایک خوبصورت تنگ مکان چاہئے۔ نظام آباد کی نو آباد کاری اسکیم کے تحت حکومت نے پانچ نفوس کے لئے ایک مکان دو سو روپے کی لاگت سے تیار کرایا ہے۔ یہ تجربہ دیہی اسکنہ کی تعمیر کے ضمن میں مفید ہو سکتا ہے۔ دیہی آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے ممالک محروسہ میں چالیس لاکھ دیہی اسکنہ درکار ہوں گے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ فی الوقت ممالک محروسہ میں موافق حیثیت مجموعی پانچ لاکھ قابل رہائش اسکنہ ہیں تو اس کے معنی ہوئے کہ مزید (۳۵) لاکھ اسکنہ کی تعمیر ضروری ہے جس کے لئے ساٹھ یا ستر کروڑ کا سرمایہ درکار ہوگا۔ کیا عابد جنگ تنظیم کو یہ جلیل مسئلہ پیش نظر رہا ہے۔

امراض سے نجات

غذا، پانی، کپڑے اور مکان کے بعد پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ صحت عامہ کو برقرار رکھنے کے وسائل اور علاج کی سہولتیں اہل ملک کو حاصل رہیں۔ ہمیں مسرت ہے کہ نواب [illegible] اعظم یار جنگ بہادر نے اس مسئلہ پر اپنی ایک حالیہ تقریر میں امید افزا روشنی ڈالی ہے۔ یہ کام دراصل ماہرین کا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے ماہرین حفظان صحت اور اطبا نے ایک مسودہ مگر تدریجی پروگرام مرتب کر لیا ہوگا۔ اس ضمن میں ہم صرف دو امور پر زور دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ مغربی طریقہ علاج مواضعات کے لئے موزوں نہیں ہے۔ یونانی اور آیورویدک طریقہ ہائے علاج کی ترقی اور توسیع پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حفظان صحت کے سلسلہ میں ملک کے امرا، جاگیردار، والیان سمستان اور بالخصوص سرمایہ دار اگر حکومت کا ہاتھ نہ بٹائیں تو یہ کام ناممکن ہوگا۔

تعلیم عامہ

اس کے بعد کی منزل پر ہم تعلیم کے مسئلہ کو رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم یقیناً مفت اور عام بلکہ جبری ہو لیکن اس کے بعد کی تعلیم میں ملک کی معاشی ضروریات، سماج کی حیثیت، تعلیمی ادارے اور طلبہ کے مذاق کو بطور خاص پیش نظر رکھا جائے تو تعلیم یافتہ بیروزگاری کا مسئلہ شاید پیدا ہی نہ ہو۔

وسائل حمل و نقل

زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے وسائل حمل و نقل کی غیر معمولی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ حدود ریلوے میں حکومت سرکار عالی کے حمل و نقل قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ سر اکبر حیدری مرحوم نے ریلوے لائنس کی توسیع کے لئے متعدد اسکیمیں مرتب کی تھیں لیکن انہیں اس لئے کامیابی نہیں ہوئی کہ حکومت ہند نے ضروری تعاون نہیں کیا۔ یہ ایک دستوری مسئلہ ہے اور اس کا تعلق نواب علی یاور جنگ بہادر کے محکمہ سے ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ محکمہ تنظیم عابد جنگ نواب صاحب کے ہمراہ مشورہ سے استفادہ کرے گا۔ [illegible] بہادر نے ایک حالیہ پریس کانفرنس میں فرمایا تھا کہ اندرون ممالک محروسہ ہوائی سروس کے قیام کی تجویز سے متعلق حکومت ہند سے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ اگر یہ گفتگو کامیاب ہو جائے تو اہل ملک کو اس سے بڑی مسرت ہوگی۔ تعمیر شوارع کا مسئلہ تنظیم عابد جنگ کی جلیل اسکیموں کی جان ہے۔ مملکت آصفیہ کے رقبہ کے لحاظ سے اس کی سڑکوں کی لمبائی بہت کم ہے۔ میسور اس معاملہ میں حیدرآباد سے آگے ہے۔ ہمارے ہاں دیہی شوارع کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ کو یاد پڑتا ہے کہ آنریبل مسٹر غلام محمد نے اپنی ایک تقریر میں اس کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ دیہی شوارع کی تعمیر کی ذمہ داری مقامی مجالس پر عائد ہونی چاہئے۔ ہر تحصیلدار نیز جاگیردار کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ اپنے حدود اثر میں ہر موضع کو بڑی سڑکوں سے متصل کرنے کے لئے پختہ راستے بنوائے۔ ممالک محروسہ میں اب بھی بہت سی ندیاں اور نالے ایسے ہیں جو سال میں چھ مہینے ناقابل عبور رہتے ہیں۔ ان کو قابل عبور بنانے کا کام بھی روڈ فنڈ کے ذریعہ ہونا چاہئے۔

رسل و رسائل

رسل و رسائل کے ذرائع کی حد تک مملکت آصفیہ ابھی بہت پیچھے ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ برطانوی ہند کے ڈاک خانے سرکار عالی کے ڈاک خانوں کے رقیب بنے ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکومت ہند نے آج تک یہ [illegible] کے اس حق کو تسلیم نہیں کیا کہ مملکت آصفیہ اندرونی ٹیلیگرافی نظام قائم کرنے میں بالکلیہ آزاد ہے۔ اگر محکمہ تنظیم عابد جنگ اس گتھی کو سلجھا لے تو اس کی کارکردگی کا معیار بڑی حد تک متاثر ہوگا۔ حیدرآباد کو نہ صرف اپنے نظام ڈاک خانہ جات کو وسعت دینی ہے بلکہ اندرونی ٹیلیگرافی نظام بھی قائم کرنا ہے تاکہ مملکت آصفیہ کی ترقی ہر جہتی ہو۔

سمندری راستہ

مسائل بالا کے کامیابی کے ساتھ نمٹنے کے بعد جو اہم مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے وہ حیدرآباد کے لئے ایک بندرگاہ کی فراہمی ہے۔ ہم کرنل [illegible] کے اس خیال سے متفق ہیں کہ بجائے [illegible] کے بندرگاہ دیکھا گیا ہم سے استفادہ کا حق حاصل کرنا معاشی نقطہ نظر سے زیادہ نفع بخش ہوگا۔ مشرقی ساحل پر حیدرآباد کے لئے سمندری راستہ کوئی نئی چیز نہیں۔ حیدرآباد کو [illegible] صدیوں پہلے یہ سہولت حاصل تھی اور ہمارا مال ہمارے جہازوں کے ذریعہ جن پر آصف جاہی پرچم لہراتا تھا دور دور جایا کرتا تھا۔ اگر حیدرآباد نے یہ [illegible] دوبارہ حاصل کر لی تو اس کے صرف یہ معنی ہوں گے کہ اس نے اپنا ایک کھویا ہوا حق حاصل کر لیا۔

گھوڑے کے آگے گاڑی

ان منازل کو طے کرنے کے بعد صنعتی کاروبار بالخصوص بڑی صنعتوں کے قیام کا مسئلہ زیر غور آ سکتا ہے۔ بعض کوتاہ اندیش لوگ سمجھتے ہیں کہ صنعتی کارخانوں کا قیام تنظیم عابد جنگ کا اولین مقصد ہے۔ ایسا سمجھنا فاحش غلطی کے ارتکاب [illegible] ہے۔ اس سے چند سرمایہ دار البتہ مستفید ہوں گے مگر وہی ہوگا جو نہ ہونا چاہئے یعنی ملک کی دولت صرف چند ہاتھوں میں آجائے گی اور ملک کی (۹۵) فی صد آبادی محتاج رہ جائے گی۔ ہمیں توقع ہے کہ تنظیم عابد جنگ اس غلط نظریہ کا عملاً ابطال کرے گا۔

یہ ہیں وہ چند خیالات جو ہم نے پیش نظر رکھ کر اخذ کئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ جات متعلقہ نیز غیر سرکاری ارباب فکر و نظر ان مسائل پر اظہار خیال کر کے تنظیم عابد جنگ کے حقیقی مقصد کو حاصل کرنے میں حکومت اور اہل ملک کی مدد کریں گے۔

امریکہ میں آزادی ہند کی تحریک

"ہندوستان کی آزادی جاپانیوں پر فتح حاصل کرنے اور دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔"

یہ ہے امریکہ کے اخبار واشنگٹن پوسٹ کے ایک نصف صفحہ کے اشتہار کی سرخی۔ جس میں [illegible] روزویلٹ کے ایلچی [illegible] اور [illegible] کے ارکان البرٹ چانڈلر اور [illegible] جانسن کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

اس اشتہار میں امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ:

"ہندوستان کے چالیس کروڑ انسان آپ ہی کی طرح آزادی اور حریت پر عقیدہ رکھتے ہیں۔"

اشتہار کے نصف صفحہ کے نیچے یہ عبارت درج ہے۔

"اس اشتہار کی اجرت اس ملک میں رہنے والے چند ہندوستانی قوم پرستوں نے ادا کی ہے۔"

مذکورہ بالا لوگوں کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں ان میں مسٹر فلپس کی وہ عبارت بھی شامل ہے۔

"ہندوستان کی موجودہ فوج خالصاً کرایہ کی ہے جنرل [illegible] کی رائے میں موجودہ حالت پر اور بالخصوص ہندوستانی افسروں کی گری ہوئی اخلاقی حالت پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔" (دراشا)

ہٹلر کی آخری لڑائی

چند روز قبل امریکہ کے نائب صدر مسٹر ہنری ویلس نے کہا تھا کہ ”جرمنی کے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے۔“

یہی رائے عام لوگوں کی ہے اور جرمنی کے عام باشندے بھی یہی سمجھ رہے ہیں۔ ہنری ویلس کہتے ہیں کہ جرمنی کی ناکامی فضا میں جلی حروف میں لکھی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ جرمنی کے فوجی ترجمان کا بھی یہی خیال ہے گو یہ خیال بڑی احتیاط سے ظاہر کیا گیا ہے۔

گزشتہ ماہ کے اختتام پر لفٹننٹ جنرل ڈتمار نے صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”اس بات سے انکار کرنا دانشمندی کے خلاف ہے کہ رومانیہ اور رومانیہ کی فوج کا ہاتھ سے نکل جانا ایک کاری ضرب ہے۔ حالیہ زمانہ میں ہمیں بہت سی تلخ ناکامیوں اور مایوسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ہمارے ہاتھ سے بہت سے علاقے نکل گئے جن کے متعلق ہم باور کرتے تھے کہ ہم ان پر مضبوطی کے ساتھ قابض ہیں۔ یہ ایسے علاقے تھے جو ہمارے انصرام جنگ میں معاشی مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔“

مذکورہ بالا خیال کے اظہار کے بعد جرمنی کو مزید پسپائیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جرمنی نے فرانس کی جنگ ہاری، بلجیم آزاد ہو گیا۔ سارا مغربی محاذ سمٹ کر جرمنی کی سرحدوں پر آ پہنچا۔ دنیا کو فتح کرنے والی فوج اب اپنی مدافعت کرتے ہوئے سگفرڈ لائن کے پیچھے آ گئی۔ خود جرمنی کی سرزمین پر جنگ شروع ہو چکی۔ یہ آخری لڑائی ہے جو ہٹلر لڑ رہا ہے۔

متحدین کی پیش قدمی

مختلف دستوں میں جو جرمنی کی سرحد کی طرف بڑھ رہے ہیں ایک تسلسل پیدا ہو گیا ہے۔ ساتویں فوج تیسری فوج سے جا ملی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جرمنی کی انیسویں فوج کے خلاف جو بلفورٹ کی طرف پیچھے ہٹ رہی تھی متحدین کا ایسا مشترکہ اقدام ہے جو قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ برطانیہ کی دوسری فوج جنرل ڈیمپسی کے زیر کمان نہر البرٹ پر پہنچ گئی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں اس نہر کے متعلق یہ توقع تھی کہ یہ بلجیم کے لئے مشہور فولادی لائن کا کام دے گی۔

سیڈان اور نامور پر متحدین کے قبضے نے ان کے لئے جرمنی میں جانے والی ایک بہترین سڑک کھول دی ہے۔ امریکی فوجوں نے میوز پر بہترین مورچے قائم کر لئے ہیں۔ ایک زبردست میکانی فوج جنرل پاٹن کے زیر کمان تیار ہو چکی ہے اور جرمنی پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ برطانیہ کی دوسری فوج شمال کی طرف بڑھ رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغربی جرمنی پر حملے کے لئے تیار ہو رہی ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جرمن فوجوں کا پیچھے ہٹنا موقوف ہو گیا ہے کیونکہ وہ اب اپنی مادر وطن کی سرحدوں پر پہنچ گئی ہیں۔ جرمنوں نے نئے طوفانی اور معترضی فوجوں کو مجتمع کر لیا ہے تاکہ جنرل پاٹن کی بڑھتی ہوئی فوج کی مزاحمت کر سکیں۔

امریکی فوج کے ان دستوں کو جو موسیل عبور کر چکے ہیں بہت کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اگرچہ جرمنوں نے عارضی طور پر جنرل پاٹن کے سیلاب کو روک لیا لیکن وہ زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ متحدین کی فوجیں بڑھتی جا رہی ہیں اور جنرل ایسن ہاور اپنی فوجی برتری کی بنا پر مختلف مقامات سے جرمنی میں داخل ہو سکتے ہیں۔

جرمنی کی سرحدوں پر حملہ

متحدین کی فوجوں نے جرمنی کی سرحد پر بیرونی دفاعات کو توڑ دیا ہے اور جرمنی کے خط دفاع کے مختلف مقامات پر نرغے پڑ چکے ہیں۔ ہٹلر کے لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ جرمنی کی مزاحمت کو کافی عرصہ تک جاری رکھے اور جہاں تک مقابلہ کر سکے تاہم روز حساب کو چند روز تک ٹالا جا سکتا ہے اور وہ بھی جرمنی کا بے حد خون بہا کر۔

ممکن ہے اس بات کا احساس ہٹلر کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کرے۔ کسی وقت بھی کوئی چیز ممکن ہے۔ ایک چیز تو اب بہرحال واضح ہو گئی ہے۔ اب پیچھے ہٹنے کا سوال نہیں۔ اقامت یا موت۔ فوجی نقادوں نے بارہا بیان کیا ہے کہ ہٹلر نے ”پیچھے نہ ہٹو“ کی پالیسی اختیار کر کے جنگ ہار دی۔ سب سے بڑی غلطی اسٹالن گراڈ میں ہوئی جہاں سے پسپائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

انسانی خون بہا کر جوع الارض کو تشفی دینے کے جنون میں ہٹلر بالآخر خود اپنی مادر وطن کی سرزمین کی مدافعت پر مجبور ہو گیا۔ جوں جوں متحدین کا فوجی حلقہ جرمنی کے اطراف سخت ہو جائے گا جنگ کی تباہ کاریاں جرمنی کے لئے ہزار گنا بڑھ جائیں گی۔ نازیوں نے اکثر یہ ادعا کیا ہے کہ وہ اگر یورپ کو نہیں تو کم از کم پورے جرمنی کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کے متعلق اس کی آخری منزل پر بھی کوئی پیش قیاسی کرنا دشوار ہے۔

گزشتہ تجربہ

گزشتہ تجربے سے ہماری کوئی رہنمائی نہیں ہوتی۔ جس نقطہ نظر سے بھی غور کیا جائے ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں جرمنی کی حالت نومبر سنہ ۱۹۱۸ء سے بھی زیادہ ابتر ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم کے اختتام پر جرمن فوجوں کی تنظیم برقرار تھی۔ اس وقت پوری فوج کو ہتھیار ڈالنا نہیں پڑا تھا جیسا کہ اسٹالن گراڈ میں ہوا۔ ایک بہت بڑی فوج جو سنہ ۱۹۳۹ء میں دنیا کو فتح کرنے نکلی تھی آج اس کا ایک بڑا حصہ مسمار ہو گیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں روس کی کوئی ایسی بڑی فوج نہیں تھی جو ہنگری کے ساتھ جرمنی کی مشرقی سرحدوں پر دباؤ ڈال رہی ہو۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کے مشرقی محاذ پر اس کی جانب سے ترکی لڑ رہا تھا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں جرمن شہروں کے اتنے بڑے رقبے اس طرح مسمار نہیں ہوئے تھے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کے اتنے دشمن نہیں تھے جتنے کہ آج ہیں اور جو انتقام کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں جرمنی معاشی، فوجی اور دوسرے اعتبارات سے آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر تھا پھر بھی اس کو شکست ہوئی۔

یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ جب سنہ ۱۹۱۸ء میں بلقان کے محاذ کا کلی خاتمہ ہو گیا تب جرمنی کے قائدین جنگ نے یہ باور کر لیا کہ ان کے انجام کا آغاز ہے۔ جب بلغاریہ نے صلح کی درخواست کی تو انہیں حقیقت حال معلوم ہوئی۔ ہنڈن برگ کا بیان تھا کہ اس اطلاع کے وصول ہونے کے بعد جب لوڈنڈرف فوراً ان سے ملنے آیا تو ان دونوں نے بغیر ایک لفظ کہے جان لیا کہ جنگ ہاری جا چکی ہے۔ لوڈنڈرف نے کہا کہ ”ہم اب جنگ ہار چکے اور کوئی چیز اس صورت حال کو بدل نہیں سکتی۔ اگر ہم میں یہ قوت ہوتی کہ مغربی محاذ کی صورت حال کو بدل سکتے تب تک بہت کچھ ہو سکتی تھی لیکن اس مقصد کے لئے ہمارے پاس ذرائع نہیں ہیں۔ جس طریقے سے ہماری فوجوں کو مغربی محاذ پر منتشر کر دیا گیا اس کے بعد متواتر پسپائی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہماری صورت حال بدتر ہوتی جائے گی کبھی بہتر نہ ہوگی۔“

آج ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں نہ صرف یہ کہ بلغاریہ نے صلح کی درخواست کی ہے بلکہ رومانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ روس کا جنوبی محاذ اب روس کا مغربی محاذ ہو گیا ہے۔ مارشل ٹیٹو کی فوجوں سے اتصال کے ساتھ یوگوسلاویہ میں متحدین کی پیش قدمی نے برطانیہ، امریکہ، بلغاریہ اور روس کا ایک مشترک محاذ قائم کر دیا ہے۔ یہ محاذ جرمنی کی سرحد سے اسی طرح قریب تر ہو کر جا رہا ہے جس طرح مغربی اور مشرقی محاذ قریب ہو گئے ہیں۔

ہٹلر کو ہنڈن برگ سے زیادہ ذہین سمجھا جاتا ہے۔ ہٹلر کا محاذ یعنی نازی محاذ ابھی قائم ہے۔ ہٹلر نے جرمنی کے جنرلوں کی بغاوت کو دبانے میں کامیابی حاصل کی اور اب اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ جرمنی کی فوجیں نازی پارٹی کا تختہ الٹ دیں گی۔ نازی پارٹی کے خلاف عوام کی بغاوت کا بھی امکان نہیں۔ اس طرح دوسری عالمگیر جنگ کا آخری منظر پہلی عالمگیر جنگ سے زیادہ دہشت ناک ہو گا۔ یہ عالمگیر جنگ ہمہ گیر شکست پر ہی ختم ہو سکتی ہے۔

(بمبئی کرانیکل ویکلی)

دنیا کی نگاہیں بمبئی کی طرف لگی ہوئی ہیں

مہاسبھائیوں کی فتنہ انگیزی

ساری دنیا کی نگاہیں بمبئی کی طرف لگی ہوئی ہیں جہاں گاندھی جناح گفتگو جاری ہے کیوبک میں چرچل اور روزویلٹ مل رہے ہیں، لیکن شاید بمبئی کو اس وقت کیوبک سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیوبک میں جاپان کے خلاف بڑھنے پر اقدام کی بات چیت ہو رہی ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ گاندھی جناح گفت و شنید کا اثر کیوبک کے جاپان دشمن منصوبوں پر ضرور پڑے گا۔

سارا ہندوستان بڑی شدت سے قائد اعظم اور مہاتما جی کے ایک ایک اشارے کو دیکھ رہا ہے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو سن رہا ہے۔ کیا گاندھی جناح سمجھوتے سے ہماری مصیبتیں کٹ جائیں گی؟ کیا قحط اور سیاسی جمود کا خاتمہ ہو جائے گا؟ اہل ملک سے زیادہ ہمارے قومی رہنماؤں کو اس کا احساس ہے وہ عوام کی تشویش کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جناح نے گاندھی جی سے فرمایا کہ "اگر ہم بغیر سمجھوتہ کئے ہوئے اٹھ جائیں تو ہمیں اعلان کر دینا چاہئے کہ ہماری عقلیں دیوالیہ ہو گئی ہیں۔" اور گاندھی جی نے فرمایا ہے کہ "چالیس کروڑ آدمی مشتاق ہیں کہ ایسا سمجھوتہ ہو جائے جو کسی خاص گروہ اور فرقے کے لئے نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے لئے مفید ہو۔"

لیکن برطانیہ اور ہندوستان میں کچھ گروہ ایسے ہیں جن کے مفاد عوام سے مختلف ہیں۔ وہ لوگ گاندھی جناح سمجھوتے کے مخالف ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے "لندن ٹائمز" نے ایک اداریہ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ "مسٹر جناح اور گاندھی جی کے درمیان کوئی سمجھوتہ اس وقت تک ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ زیادہ وسیع مفاد پر مبنی نہ ہو۔" اور زیادہ وسیع مفاد سے مراد ہندوستان کی ریاستوں کے حکمران رجواڑے ہیں۔

لیکن اس برطانیہ کی نمائندگی نہ تو لندن ٹائمز کرتا ہے اور نہ وہاں کے رجعت پرست اور سامراجی۔ برطانوی عوام کا اہم ترین عنصر یعنی مزدور طبقہ اپنی ٹریڈ یونینوں اور جلسوں کے ذریعے ہندوستانی لیڈروں کی رہائی اور برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان سمجھوتے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ۱۰ اکتوبر کو برطانوی ٹریڈ یونین کانگریس کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے اس موقعہ پر وہاں کی بعض اہم ترین یونینوں نے جن کے ممبروں کی مجموعی تعداد تقریباً دس لاکھ کے قریب ہے ہندوستانی لیڈروں کی رہائی اور سمجھوتے کے حق میں تجویزیں منظور کی ہیں۔

ڈین آف کینٹربری نے گاندھی جناح ملاقات کا خیر مقدم کیا ہے اسی طرح پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر ڈی این پرٹ کا خیال ہے کہ تمام بڑی طاقتوں کا سمجھوتہ بین الاقوامی اہمیت اختیار کرے گا۔ نیوز کرانیکل کے ایڈیٹر مسٹر ... نے یہ خیال ظاہر کیا کہ گاندھی جناح سمجھوتے سے کانگریسی لیڈروں کی رہائی کے مطالبے کو تقویت پہونچے گی۔

گاندھی جناح اتحاد کی مخالفت میں ہندو مہاسبھائیوں نے جو ذلیل طریقہ اختیار کیا ہے اس کی پول روز بروز کھلتی جا رہی ہے۔ تھتے نامی ایک بیہودہ شخص نے ہندو مہاسبھا کے کچھ والنٹیروں کو لے کر سیواگرام میں گاندھی جی کی پکٹنگ کی اور انھیں مسٹر جناح سے ملاقات کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ یہ ترکیب ناکام ہو گئی۔ جب پولیس نے تھتے کو گرفتار کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس ایک چھرا تھا اس نے خود پولیس والوں سے کہا کہ میں شہید کی موت مرنا چاہتا تھا۔ اس ذلیل واقعے پر ہمیں تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ حرکت اتنی ناشائستہ تھی کہ خود ہندو مہاسبھا کے لیڈروں اور اخبارات کو اس کا اعلان کرنا پڑا کہ ان کا تھتے یا اس کے گروہ سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔

بمبئی کارپوریشن میں ہندو مہاسبھا کے ممبروں نے پولیس کی اس کارروائی کے خلاف ایک احتجاجی تجویز پیش کی کہ گاندھی جناح ملاقات کے دوران میں مالابار ہل پر آنے جانے والوں سے باز پرس کی جاتی ہے۔ اس کانگریسی اور لیگی ممبروں نے اکثریت رائے سے اس فتنہ انگیز تجویز کو رد کر دیا۔ کانگریسی نمائندے نے کہا کہ اس قسم کی پابندیاں اس لئے ضروری ہیں کہ گاندھی جی اور مسٹر جناح گفت و شنید بغیر کسی گڑبڑ کے جاری رکھ سکیں۔ لیکن یہ ایسی چیز ہے جسے ہندو مہاسبھا کے فتنہ پرداز پسند نہیں کرتے، وہ چاہتے ہیں کہ ملاقات میں گڑبڑ ہو جائے تو اچھا ہے۔

یہ بھی پروپگنڈا کیا جا رہا ہے کہ پنجاب کے سکھ اس کے مخالف ہیں کہ راجہ جی کے فارمولے کی بنیاد پر کوئی جناح گاندھی سمجھوتہ ہو۔ لیکن حال ہی میں امرتسر کی سکھ لیگ کے ایک جلسے نے اس جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ یہ جلسہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی زیر صدارت امرتسر میں منعقد ہوا تھا اب یہ خبر آئی ہے کہ ضلع کانگریس، کسان سبھا، اور کمیونسٹ خیال کے سکھوں کا ایک جلسہ بابا سوہن سنگھ بھکنا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسے نے حق خود اختیاری کی بنیاد پر گاندھی جناح سمجھوتے کی حمایت کی اب گیانی کرتار سنگھ، اور گیانی شیر سنگھ کی یہ لیڈری۔ ہچکچاہٹ کم ہوتی جا رہی ہے کہ اگر راجہ جی کے فارمولے کی بنیاد پر گاندھی جناح سمجھوتہ ہو گیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اب کانگریس اکالی اور کسان سبھا کے سکھ لیڈر میدان میں اتر آئے ہیں اور عوام میں اس خیال کو مقبول بنا رہے ہیں کہ ملک کے سیاسی جمود کو ختم کرنے کے لئے کانگریس لیگ اتحاد ضروری ہے۔

بنگال میں بھی کانگریسی اور لیگی عوام گاندھی جناح سمجھوتے کے حق میں پروپگنڈا کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے عوامی حمایت بڑھتی جا رہی ہے اور ہندو مہاسبھائی لیڈر تلملا کر بھاگ رہے ہیں۔ بنگال کے محبان وطن پر اب یہ بیکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان تسلیم کرنے کا مطلب بنگال کی تقسیم ہے اس لئے اب ہندو مہاسبھائی شور مچا رہے ہیں کہ گاندھی جی مسلم لیگ کے اس بیجا مطالبے کے سامنے جھک رہے ہیں کہ حکومت میں کانگریس اور لیگ برابر کی حصہ دار ہوں۔ لیکن بنگال میں فیصلہ کانگریس اور لیگ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ہندوستان اسٹینڈرڈ گاندھی جی پر براہ راست حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لئے راجہ جی کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔ انھوں نے گاندھی جی کی بیماری اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے اپنا فارمولا منوا لیا۔ لیکن حالت ہندوستان اسٹینڈرڈ اور دوسرے گاندھی جی کو نادان اور کمزور طبیعت کا لیڈر بنا کر رہا ہے۔ مہاسبھائی تو یہی کہتے ہیں کہ لیگ سے برابری کا درجہ نہیں ملنا چاہئے کیونکہ مسٹر جناح آزادی کی جدوجہد کے لئے سامراج دشمن محاذ میں شامل نہیں ہوں گے لیکن اگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو انہیں یقیناً شرم آئے گی کہ گاندھی جناح گفتگو کی مخالفت میں خود ان کے لیڈر شیاما پرشاد مکرجی امیری سے فریاد کر رہے ہیں یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ ابھی تک بعض کانگریسی لیڈر مہاسبھا کے ساتھ ہیں اور مہاسبھائی ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن دہلی کے ورکروں کے جلسے کی طرح جہاں کمیونسٹ، لیگی اور کانگریسی محبان وطن اپنی مشترکہ کوششوں سے اتحاد کے نعرے کو مقبول بنا رہے ہیں وہاں ہندو مہاسبھا کی دال نہیں گلتی۔

قلت چاول کی شکایات

بقیہ سلسلہ صفحہ (۶)

محکمہ رسد کو روزانہ راتب کی مقدار (۸) چھٹانک سے گھٹا کر (۶) چھٹانک کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ جو چاول صرف کنندہ علاقوں کے لئے فی الوقت فراہم کیا جا سکتا ہے اس کی مقدار (۴) لاکھ ۲۰ ہزار ٹن ہے۔

حالانکہ آبپاشی کی فصل دو من بجائے ... لاکھ ۲۵ ہزار من پیدا ہوئی ہے لیکن ریلوں اور آبپاشی کے توقعات بھی زیادہ درخشاں نہیں ہیں۔ ان مجبوریوں کے پیش نظر محکمہ متوقع ہے کہ اہل ملک چاول کے استعمال میں کفایت اور احتیاط برتیں گے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

اگر کوئی شخص دوران ماہ رمضان کے آخری ہفتہ میں عثمانی اور عابد روڈ پر سے گزرے اور شوقین خریداروں کی چہل پہل کا مشاہدہ کرے تو وہ ہرگز باور نہیں کرے گا کہ حیدرآباد کا مسلمان بجز چند مستثنیات کے مفلس اور دیوالیہ ہے۔ اس کو یہ حال بھی ہو کہ حیدرآباد کا مسلمان کی خریدارانہ سرگرمیاں اس کے تمول کا پتہ دیتی ہیں مگر صرف حیدرآباد کا مسلمان ہی جانتا ہے کہ اس کا ظاہر کس درجہ فریب دہ ہے۔

........صاحب ایک سرکاری دفتر میں منتظم ہیں۔ ذاتی ماہانہ سو، بیویاں دو، عدد بچے آٹھ، ملازم چار، مکان کا کرایہ (۳۵) روپے۔ اخراجات رمضان کے لئے ڈھائی روپے فی صدی ماہانہ سود پر تین سو روپے قرضہ حاصل کیا گیا۔ یہ قرضہ ناکافی ہوا تو مزید ڈیڑھ سو روپے قرض لیا گیا تب جا کر بچوں اور بیویوں کی فرمائشات پوری ہوئیں۔ ۲۹ رمضان کو شیر خرمہ کے سامان کا مطالبہ ہوا۔ قلمدان کھولا تو پیسے ندارد۔ ایک سونے کی انگوٹھی رہن رکھنے کی نوبت آئی تب کہیں شیر خرمہ بنائی گئی۔

یہ ہے حیدرآباد کے مسلمان کی عید

........صاحب ایک جاگیردار ہیں۔ جاگیر کی سالانہ آمدنی (۲۵) ہزار سے کچھ اوپر ہے۔ حصہ دار پانچ ہیں۔ بیویاں تین ہیں جن میں سے صرف دو بیویوں کو بارہ بچے ہیں۔ پانچ زنانہ کھولے ہوئے چھ مہینے بھی نہیں گزرے کہ چھوٹی بیوی کے جہیز میں آئے ہوئے زیورات ساہوکار کی نذر ہو گئے۔ جاگیر کے منتظم نواب صاحب سے زیادہ خوش حال اور متمول ہیں۔ چھوٹی موٹی رقم کی ضرورت ہو تو پرامیسری نوٹ پر سرکاری رقم لکھ کر نواب صاحب کو خود ہی قرضہ دیتے ہیں گو نام کسی اور کا بتاتے ہیں۔ نواب صاحب کی دیوڑھی کا پرانا قیمتی سامان جب ہراج خانہ جاتا ہے تو منتظم صاحب کسی اور نام سے خود ہی اونے پونے خرید لیتے ہیں۔ اس مرتبہ عید کے اخراجات کے لئے ۱۲ سو روپے نے کر نواب صاحب کو تین ہزار کا کاغذ لکھ دینا پڑا۔ عید دراصل منتظم صاحب کی ہوئی اور نواب صاحب اس دیکھ میں ہیں کہ انھوں نے دیکھا ہی نہیں۔

........صاحب ایک کمپنی میں ملازم ہیں۔ بدقسمتی سے انگلستان پلٹ معلوم ہوتے ہیں مگر تعلیم صرف مڈل تک ہوئی ہے۔ تنخواہ (۵۰) روپے۔ بدقسمتی سے بہن کی شادی ہو چکی ہے۔

ڈیفولٹ کر کے اپنے سسرال کے ممنون ہیں۔ ایک سکنڈ ہینڈ موٹر بھی ان کے پاس ہے جو عموماً دعوتوں کے موقعوں پر استعمال کی جاتی ہے۔ عید کے مصارف سسرال سے اسی طرح وصول کرتے ہیں جیسے برطانوی ہند میں انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ یہ صاحب اپنی بیوی کے سہارے اپنے تمول کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

........بیگم صاحب عید کے لئے ساڑی اور بلاؤز خریدنے نکلیں۔ بوچند کے ہاں ایک ساڑی پسند آئی قیمت (۲/۱) سو روپے لیکن بلاؤز کے لئے موزوں کپڑا ان کی دکان میں نہیں تھا۔ بلاؤز کی تلاش میں پانچ چندی رام کے ہاں پہنچیں۔ یہاں بلاؤز کے کپڑے اچھے اچھے تھے مگر خریدی ہوئی ساڑی کے لئے موزوں نہ تھے لیکن بیگم صاحب سے رہا نہ گیا ایک بلاؤز کا ٹکڑا خرید ہی لیا۔ اب مسئلہ اور سنگین ہو گیا۔ ساڑی کے لئے بلاؤز ڈھونڈنا ہے اور بلاؤز کے لئے ساڑی۔ کریم کے ہاں پہنچیں۔ یہاں ایک ایسی ساڑی پسند آئی جو چندی رام والے بلاؤز کے لئے موزوں نہ تھی مگر تھی بہت اچھی۔ اس کو بھی خرید لیا۔ اب دو ساڑیوں کے لئے بلاؤز اور ایک بلاؤز کے لئے ساڑی خریدنا ضروری ہو گیا۔ سکندرآباد کا سفر اختیار کیا گیا۔ ہماری اطلاع یہ ہے کہ ۲۷ رمضان تک بیگم صاحبہ کو ان کے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بعد کا حال وہ جانیں یا ان کے شوہر نامدار جن کی عید باوجود شیر خرمہ کے ضرور تلخ ہوئی ہو گی۔ یہ ہے مسلمانوں کی عید! کیا یہ قابل مبارکباد ہے؟

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے۔ (اقبال)

آندھرا کے کمیونسٹوں کی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک معاصر تحریر کرتا ہے:۔

"جو اصحاب حیدرآباد کی اشتمالی جماعت اور آندھرا کانفرنس کے کمیونسٹوں کی گزشتہ کارگزاریوں سے واقف ہیں انہیں یہ سن کر غالباً تعجب نہ ہو گا کہ آندھرا کانفرنس سے کمیونسٹوں کی جانب سے عنقریب گاندھی جینتی کی تقریب منائی جانے والی ہے۔"

ہم کامریڈ نارائن ریڈی سے سوال کرنا

چاہتے ہیں کہ گاندھی جی کے فلسفہ میں اور مارکس کی تعلیمات میں انہیں کونسی چیز مشترک نظر آتی ہے؟

یہاں مارکس یا گاندھی جی کی تعلیمات کا سوال ہی نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی کا نام لے کر ایک طرف سرمایہ داروں سے اور دوسری طرف مزدوروں سے چندہ وصول کیا جا سکتا ہے تو کیا مضائقہ ہے! انہیں جو چیز مشترک نظر آتی ہے وہ صرف "چندہ" ہے۔

"کوئی شخص اس وقت تک وکالت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ضروری قابلیت حاصل نہ کرے۔ کسی یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم پا کر قانون کی ڈگری حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص حکیم نہیں بن سکتا جب تک کم از کم پانچ سال تک کسی یونیورسٹی میں طب کی تعلیم پا کر ڈگری حاصل نہ کرے۔ لیکن بدقسمتی سے سیاسیات ہی ایک ایسا شعبہ ہے جس کے لئے کسی قسم کی تعلیم و تربیت ضروری نہیں سمجھی جاتی"

(مسٹر نرسنگ راؤ)

بالکل غلط۔ صرف سیاسیات ہی نہیں بلکہ ادبیات کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ہر سیڑک پر نیل آج کل ترقی پسند مصنفین کی صف میں نظر آ رہا ہے۔ اگر آپ کو باور نہ آئے تو کامریڈ لاہوتی سے پوچھ لیجئے۔

"ترجمان ملت" نے اپنی اور آبان کی اشاعت میں صفحہ ۲ پر لیلا دیسائی کی تصویر کے ساتھ ایک اشتہار شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے:۔

"فلم اسٹاروں کی طرح اپنی جلد کی حفاظت کیجئے"

ایک شریف خواتین کو فلم ایکٹریس کی تقلید کرنے کی ترغیب دینا اور شریف خواتین سے اس طرح برہم ہونا کہ وہ ان نسوان کو تھیٹریکل کمپنیاں قرار دیا جائے معاصر کا ایک دلچسپ اور جنسیت کش مشغلہ رہا ہے۔

"کوئی ڈھنگ بھی کرے ہے بھی ہے کوئی آپ اپنا"

بروز شنبہ ۲۸ رمضان رات کے دس بجے مولانا رشید ترابی اپنے قصائد سنانے والے ہیں۔ (ایک خبر)

سیاسی مشاغل سے قصیدہ خوانی ہی مولانا کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے۔

"دکن کی تہذیب میں عورتوں کو بڑی آزادیاں نصیب ہیں۔ چنانچہ ہولا عورتیں مردوں کے ساتھ وظیفوں اور مذہبی محفلوں میں شریک ہوتی ہیں اور پردہ کا رواج نہیں ہے۔" (قومی جنگ)

ہولا عورتوں کی بے پردگی کے خلاف "ترجمان ملت" کو کم از کم تین اشاعتوں میں ایک اداریہ شائع کرنا چاہئے۔

متحدین نے جرمنی کے سرحدی مورچے توڑ دیے

یورپ کی جنگ آزادی پورے شباب پر ہے

سرخ فوج نے مشرقی جرمنی کی سرحد پار کر لی ہے اور اس طرح پہلی بار (نازی) جرمنی کی سرزمین میں جنگ ہو رہی ہے۔ مغربی مورچے پر امریکی فوجیں بھی دو طرف سے جرمنی کی سرحد میں داخل ہو چکی ہیں۔ پہلی امریکی فوج نے ٹرکوں کی طرف سے جو کارل مارکس کی جنم بھومی ہے، یہ وہ علاقہ ہے جہاں جرمنی کی کوئلے کی کانیں اور لوہے کے کارخانے ہیں۔ یہاں کے مزدور اپنی انقلابی روایات کے لئے دنیا بھر میں مشہور اور بہت ممکن ہے کہ آزادی فوجوں کے یہاں پہنچ جانے پر یہ وہاں کے لاکھوں مزدور نازیوں کے خلاف اسی طرح علم بغاوت بلند کر دیں جس طرح فرانس کے محبان وطن نے کیا تھا۔

پیرس کی آزادی کے بعد جنرل دگول کی عارضی حکومت پیرس واپس آ گئی ہے۔ اس انقلابی و تحقیکی دنیا جو دیکھی وہ ابھی ختم بھی نہ ہوئے پائی تھی کہ برطانیہ کے رجعت پسند حلقوں نے جنھیں فرانسیسی عوام کی بیداری، یہ فاشسٹ دشمنی اور جمہوریت پسندی آنکھ نہیں بھاتا۔ افواہ اڑائے کہ جنرل دگول میں اور فرانس کی چھاپہ مار فوج اور روپوش سیاسی لیڈروں میں اختلافات شروع ہو گئے۔ یہ خبر بھی پھیلا دی گئی کہ ایف ایف آئی (فرانس کی چھاپہ مار فوج) کو جنرل دگول نے توڑ دیا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ ستمبر کو فرانسیسی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ ایف ایف آئی کو فرانس کی باقاعدہ فوج کا درجہ دیا گیا ہے اور اس کے تمام افسروں کو وہ درجے اور عہدے دیئے گئے جو ان کو اپنی فوج میں حاصل تھا۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ فرانس کی روپوش تحریک کی مجلس مدافعت کے صدر جارج بدالٹ کو فرانس کا وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔ اس سے جھوٹ اڑانے والوں کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

روسی مورچے پر سرخ فوجیں دو سمت سے بڑھ رہی ہیں۔ اب کہ فن لینڈ نے جنگ ملتوی کر کے صلح کی بات چیت شروع کر دی ہے اور جرمن فن لینڈ سے بھاگ رہے ہیں سرخ فوج عنقریب ان نازی فوجوں پر حملہ کرنے والی ہے جو استھونیا اور لیتھویا میں گھری ہوئی ہیں۔ پولینڈ وارسا کے پاس گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ بلقان میں مارشل ٹیٹو کی فوجیں دو طرف بڑھ رہی ہیں۔ جنوب اور مغرب میں وہ رومانیہ کو بیچ میں سے مجبور کر کے یوگوسلاویہ میں داخل ہو چکی ہیں اور خبر ہے کہ وہ ہنگری میں داخل ہو چکی ہیں۔ مغرب میں وہ بلغاریہ اور رومانیہ سے بڑھ کر یوگوسلاویہ کی سرحد تک پہنچ گئی ہیں اور مارشل ٹیٹو کی فوج کے ساتھ ان کا ربط قائم ہو چکا ہے اور دونوں فوجوں نے مل کر جرمنوں کو گھیر لیا ہے۔ چنانچہ مارشل ٹیٹو کے ہیڈ کوارٹر سے اعلان ہوا ہے کہ ... میں اپنے حلیف سرخ فوج کے ساتھ مل کر سرویا ... میں ہو رہی ہو ... کی تمام ریلوے لائن کاٹ دی گئی ہے تاکہ نازی فوجیں بھاگنے نہ پائیں۔"

پچھلے ہفتے ہم نے لکھا تھا کہ بلغاریہ میں نئی حکومت قائم ہوئی تھی جو نازی جرمنی سے تعلقات ختم کرنا ضرور نہیں چاہتی تھی اور جنگ کی ان ذمہ داریوں سے بھی بچنا چاہتی تھی جو بلغاریہ کی رجعت پسند حکومت نے پیدا کی تھیں۔ وہ قاہرہ میں سوویت یونین سے بالا بالا امریکہ اور برطانیہ سے صلح کی بات چیت کر رہی تھی۔ سوویت یونین نے ایک فوری اعلان میں حکومت بلغاریہ کی پچھلی تین سال شرارتوں کو فوراً ختم کر دیا۔ خود بلغاری عوام اس نئی حکومت کو ناپسند کرتے تھے چنانچہ انھوں نے دو دن کے اندر ہی اس کا تختہ الٹ دیا اور وہاں مختلف محب وطن سیاسی جماعتوں کی ایک نئی ملی حکومت بن گئی ہے جس کے وزیر اعظم جیارجیف ہیں۔ جو جمہوری فوج کے افسروں کی انجمن کے صدر تھے۔ وزیر داخلہ ایک کمیونسٹ ہیں جو پارلیمنٹ کے ممبر تھے، ایک اور وزیر آئیوڈوف بھی کمیونسٹ ہے۔ وزارت سے اوپر ایک مجلس کونسل ہے یہ عارضی ادارہ ہے اس میں مشہور کمیونسٹ لیڈر پاؤلوف شریک ہیں۔ ان کے شریک کار پروفیسر گونیف ہیں جو بلغاریہ کی تحریک امداد باہمی کے بانی اور رہنما ہیں۔

بلغاریہ کی سب سے بڑی سیاسی جماعت جس کی مدد سے وزارت بنی ہے، مزدور سبھا ہے ۱۹۳۳ء میں بلغاریہ کے دار السلطنت صوفیہ کی میونسپلٹی میں پہلا انتخاب ہوا تو اکثریت اسی مزدور سبھا کے لیڈروں کی تھی۔ ۱۹۳۹ء میں بلغاریہ کی پارلیمنٹ کے انتخاب میں بھی صوفیہ کے حلقے انتخاب سے ساتوں کامیاب امیدوار اسی جماعت کے تھے۔ لیکن ۱۹۳۹ء میں ہی مزدور سبھا کے محاذ بھیجا اور ... جمہوری افسروں کی انجمن کے ساتھ اس کو خلاف قانون قرار دے کے متحدہ محاذ بنایا اور جب جرمنی نے بلغاریہ پر قبضہ کیا تو چھاپے مار دستے بنائے۔

نئی بلغاروی حکومت نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ جرمن سپاہی گرفتار کئے جا رہے ہیں اس حکومت کا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اعلان کیا ہے کہ بلغاریہ کا دستور اساسی جسے نازی نواز حکومت نے منسوخ کر دیا تھا دوبارہ نافذ کیا گیا ہے اور ہر شخص کو مکمل جمہوری اور سیاسی آزادی ہے۔ دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ تمام فاشسٹوں کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے ملک کو نازیوں کے حوالے کیا ہے گرفتار کیا جائے گا۔ اور ان کی جائدادیں ضبط کی جائیں گی۔

۲- چاول فراہم کرنے کا صحیح نہیں ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ محکمہ رسد کے پاس کے ذخائر ان اغراض کے لئے بھی کافی نہیں ہیں جن کے لئے وہ حاصل کئے گئے ہیں کیونکہ ان کا استعمال ... (بقیہ صفحہ ۸ پر)

قلت چاول کی شکایات

حیدرآباد ۷؍ آبان۔ محکمہ رسد کا اعلان ظاہر ہے چاول کی قلت کی شکایات کے پیش نظر محکمہ رسد کی جانب سے حسب ذیل واقعات عوام کی اطلاع کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔

سقوط پر سے قبل چاول کی درآمد کا پنجسالہ اوسط (۲۰) ہزار ٹن تھا۔ ۱۳۵۲ ف کے دوران میں یہاں کا رقبہ (۲۵) لاکھ ۲۰ ہزار ایکڑ اور پیداوار ۳ لاکھ ۳۴ ہزار ٹن اور بیرونی درآمدات کی مقدار (۲۲) ہزار ٹن تھی۔

۱۳۵۲ ف میں زیر کاشت رقبہ (۱۱) لاکھ ۹۰ ہزار ایکڑ، پیداوار ۳ لاکھ ۵۵ ہزار ٹن اور درآمدات (۱) لاکھ ۹۹ ہزار ٹن اور درآمدات (۲) ہزار ۵ سو ۳ ٹن رہی۔

۱۳۵۳ ف کے دوران میں زیر کاشت رقبہ میں مزید اضافہ ہوا جو (۱۳) لاکھ ۲۳ ہزار ایکڑ تک پہنچ گیا۔ لیکن ناموافق بارش کی وجہ سے پیداوار میں اسی مناسبت سے اضافہ نہیں ہوا چنانچہ پیداوار (۳) لاکھ ۴۰ ہزار ٹن اور درآمدات (۳) ہزار ٹن رہی۔ ان اعداد کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ چاول کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی جو کوشش کی گئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بسال زیر کاشت رقبہ میں اضافہ ہوا۔ اگر قدرت کی مہربانی شامل حال ہوتی تو پیداوار میں بھی اسی اعتبار سے اضافہ ہوتا۔ ۱۳۵۴ ف میں (۱۳) ہزار ۳۴ ٹن درآمد ہوئے سال رواں کے اندر صرف (۳) ہزار ٹن آ چکے ہیں اور مزید (۳) ہزار ٹن وصول کئے جانے کی توقع ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ دوسرے صوبوں سے زیادہ سے زیادہ مقدار میں چاول حاصل کرنے کی ممکن کوشش کی گئی۔

اگر چاول حسب دلخواہ نہیں رہے تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہندوستان کے اکثر علاقہ جات کو خود کے مقابلہ میں چاول درآمد کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے سال رواں کی پیداوار (۳) لاکھ ۲۷ ہزار ٹن تھی۔ اس کے متعلق محکمہ رسد نے صرف (۳۳) ہزار ۲ سو ۳۰ ٹن فراہم کئے تاکہ راشن بند شہروں اور علاقہ جات ضرورت کی اقل ترین ضروریات کی تکمیل کرے۔ بقیہ پیداوار یعنی (۳) لاکھ ۹۰ ہزار ٹن اضلاع کی ضروریات اور تجارتی تصرف کے لئے چھوڑ دی گئی۔

چاول کھانے کا پہلا حق اس علاقہ کو پہنچتا ہے جہاں یہ اناج پیدا ہوتا ہے۔ صحیح علاقہ تلنگانہ اگر اس علاقہ کی ضروریات کی تکمیل کے بعد چاول بچ سکتا ہے تو مرہٹواڑی اور کرناٹک علاقے کے خواہش مندوں کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ تلنگانہ متعلقہ کی علامت کی تجارتی و سائل استعمال کر کے اچھے چاول حاصل کریں ان کی یہ توقع کہ محکمہ رسد اپنے محدود ذخائر سے اپنا کام

ادب میں نئے رجحانات

از

کیفی دہلوی

مزدور بیچارہ دہقان تو ہے۔ اور کسان بیچارہ بیچاری مذاق ہے۔ ان کی حالت اس میں شک نہیں اصلاح اور بہبودی کی محتاج ہے۔ آپ نے کبھی کارخانوں میں جاکر اس امر کے دریافت کرنے کی زحمت گوارا کی کہ فیکٹری اور ملوں میں وہ کام کیا کرتے ہیں اور اس کے باہر کس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں؟ کبھی گاؤں میں جاکر دیکھا کہ کسان اپنے کھیت کی پیداوار سے کیا اور کیسے کر سرکاری سکہ وصول کرتا ہے؟ اور اسے کس طرح خرچ میں لاتا ہے؟ ایک چمکتی ہوئی نظم یا چٹخارا افسانہ لکھ دینے سے کام نہیں بن سکتا۔ ہر سو سے سن رہے ہیں کہ :-

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

مگر کیا؟ نہ جذبۂ عمل محرک ہے۔ باقی دنیا داری ہے جہاں پہلے تھی ہماری معاشرت کی ندامت صورتیں ہیں ہم جن مخصوص حوائج میں جوں توں زندگی کے دن بھر رہے ہیں وہ کہیں بھی پیدا۔ کہیں نہیں پائے جاتے۔ اس لئے مغرب کی اندھی تقلید محض جگت فیشن سے تعلق رکھتی ہو یا اس کے بعد ... جیسے کہ اس نہیں رکھتی اس ضمن میں اور کچھ آگے عرض کیا جائے گا۔

صرف دو چار اور باتیں کہہ کر میں اس تنقیح پر بحث ختم کئے دیتا ہوں۔ وہ ان او جذباتی نظموں کا آج کل بہت زور ہے۔ افسوس ہے کہ اس میں صحت کا رنگ نظر نہیں آتا۔ چند حضرات ہیں جو اس نوعیت کی نظمیں کامیاب پیش کرتے ہیں۔ یہ نظمیں جیسی کچھ بھی ہوتی ہیں ان کا پس منظر کا تخیل یا منظر کا ہوتا ہے ان سے مختلف ہوتی ہیں ان میں رکھ رکھاؤ اور اعتدال آجاتا ہے۔ ان شاعروں کو میرا مشورہ ہے کہ یاد رکھنا چاہئے۔ حریت تخیل عصمت تخیل سے الگ ہوکر قومی ذہنیت کے حق میں زہر قاتل بن جاتی ہے۔ ہمارے جوان شاعروں سے یہ کوئی نہیں کہتا کہ وہ دلی انجذابات اور جوش و کشش سے اپنی نظموں کے موضوع اخذ کیا کریں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ وہ اپنی فطری شباب کی مصنوعی خوبصورتی سے بدل ڈالیں۔ جب کہ بوڑھوں میں تزکیۂ نفس عصمت ہی ادب کے چار دن سے زیادہ نہیں۔ جوانوں میں عصمت تخیل اور تزکیۂ نفس دو نسبت بجا ہے جس کے بغیر کوئی قوم پروان نہیں چڑھ سکتی۔

جدید ادب نے کئی ایسی نفیس اور قیمتی چیزیں پیدا کی ہیں جو قوم کی زبان کا بیش بہا سرمایہ ہیں اور ہم خوش ہیں کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک فروزاں ہوئیں۔ مثلاً نثر میں نادر ناولیں اور

جذباتی کلام ایسا مکمل رہا ہے کہ اسے دیکھ کر چپ ہی رہنا پڑتا ہے۔ ہمارا عنوان تھا "ادب میں نئے رجحانات"؟ اب تک جو کچھ کہا گیا وہ زیادہ تر نظم سے متعلق ہے۔ اگرچہ اصولاً نثر پر بھی اسی طرح عائد ہوتا ہے لیکن میں اب چند باتیں خصوصی طور پر نثر کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ نثر کا میدان نظم سے کچھ زیادہ وسیع ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے نثر کے صرف دو شعبوں پر نظر ڈالی جائے گی۔ یعنی افسانچہ اور تبصرہ۔

افسانچہ پہلے خارجی رنگ و روپ کے ساتھ اردو میں نئی چیز ہے اور جس سرعت سے اس نے ترقی کی اور عروج پکڑا۔ نہایت حیرت انگیز ہے۔ خیر آج کل کے افسانچے ایک حد تک واقعیت اور جوہر سادگی سے شکستہ ہیں۔ اس کو کوئی صاحب کسی ذریعہ نہ سمجھیں۔ میں عام حالت کا ذکر کر رہا ہوں۔ اب تک یہ ہوتا تھا کہ بعض باتیں فطرت پر اور وقت پر چھوڑ دی جاتی تھیں۔ ان کی ماہیت، مشاہدہ بلکہ مشاہدہ بالواسطہ تک محدود رہتی تھیں۔ رات کو گھر میں بلی کے بچے ہوئے۔ صبح کو گھر کا سات برس کا لڑکا پوچھتا ہے یہ کہاں سے آئے۔ کہ دیا جاتا ہے کہ تمہاری بلی کے ہوئے ہیں "معاملہ" یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ وہی لڑکا بڑا ہوکر اور لکھ پڑھ کر بائی اولوجی کا پروفیسر اور آدمی دو تین اولاد کا والد بزرگوار ہو جاتا ہے۔ یہ کہاں وقت سے پہلے کہ گیلی کے بچے کو تیرنا کون سکھاتا ہے۔ یہی حال جنسی تشریح اور جنسی نفسیات کا ہے۔ واقعیت کی دھن جذبات عالیہ اور اخلاق حسنہ سے گزر کر ہمارے افسانچوں کے بہت حصے کو زندہ جسم پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بنا دیتی ہے۔ یہ عیب اب اعتدال سے بڑھ کر زور پکڑ گیا ہے۔ رنگ اور ملک کا قانون۔ برہنہ عکاسی اور عریاں نویسی سے تنگ آگئے ہیں۔ یہ قباحت متقدمین کو کھٹکتی تھی۔ چنانچہ صاحب اخلاق جلالی نے تاکید کی :-

والفاظ غریبہ و کنایات بعید استعمال
نہ کند و از فحش و شتم احتراز نماید و اگر احتیاج
بہ تعبیر از امرے فاحش افتد بہ تعریض
و کنایہ اکتفا کند الخ

میں پھر کہتا ہوں کہ ہمارے تمام افسانچے اور افسانے اس ضمن میں نہیں آتے۔ بلکہ تردید کے خوف کے بغیر میں یہ تسلیم کئے لیتا ہوں کہ ہمارا افسانوی خزانہ ملک کی کل نہیں تو اکثر وبیشتر زبانوں کے ذخیروں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رجحان کہیں پھیل کر وبائی صورت نہ اختیار کرے۔ اس لئے اس کی روک تھام لازمی ہے۔ مگر روک تھام اگر ہو سکتی ہے تو خود فسانہ نگاروں کے ہاتھ سے۔ اس کا ہر حالت میں

خیال رکھنا چاہیے کہ

مغرب زدگی اس کو کہتے ہیں کہ ہیں برباد
وہ جو ہر جنسی کہ لقب جس کا حیا ہے

معلوم ہے کہ اب اخباروں میں جو شادی کے اشتہار نکلتے ہیں ان میں دلہن کے لئے "ماڈرن ایجوکیشن" اور "ہاؤس ہولڈنگ" کی شرط بھی وارد ہونے لگی ہے۔ آپ خود دیکھتے ہیں کن سمجھوتوں نے یہ شرطیں لازم کیں۔

آپ سے معافی کی درخواست کے بغیر ان الفاظ کے ساتھ اس مد کو ختم کیا جاتا ہے۔ غزل ہو یا نظم افسانہ ہو یا افسانچہ غرض کہ جو تحریر ایسی ہو کہ باپ جوان بیٹے یا بیٹی کے سامنے بلند آواز سے لکھ پڑھ کر ہرگز ہی بغیر جھجک نہیں سنائی جا سکتی وہ دریا سلائی کے حوالے کر دینے کے قابل ہے۔

ایک سوال رہ جاتا ہے کہ اس سے پہلے کہ میں اس مد کو ختم کروں وہ ہے قومی روایات کی بابت۔ معلوم رہے کہ اعتبارات اور رجحانات سے قطع نظر ایک قوم اپنی روایات کے سہارے زندہ رہتی ہے۔ روایات ہی ایک قوم کے احساسات اور جذبات کی تشکیل کرتی ہیں۔ اس کے ارادوں اور ولولوں میں حسن اور حسن عمل کا موجب ہوتی ہیں۔ روایات ہی نسل انسانی کو لافانی رحمت عطا کرتی ہیں اور یہی اس کی بقا کا سبب ہوتی ہیں۔ ان کی حفاظت ہر محب قوم کا مذہب ہونا چاہئے۔

لغت میں تبصرہ کے معنی ہیں سمجھانا، سمجھنا یا دکھانا اور یہ جو تبصرہ کے مترادف الفاظ کی طرح استعمال کئے جاتے ہیں یعنی "نظر" (رسویو) اور "نقد" یعنی پرکھ "انتقاد" اور تنقید نقد سے مشتق ہیں۔ تبصرہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مصنف کو سمجھایا اور دکھایا جائے کہ تمہاری تصنیف میں فلاں فلاں نقائص ہیں اور فلاں فلاں محاسن ہیں اور اس پرکھ کی توجیہ یہ ہے۔ اگر تبصرہ کے اصولوں کے مطابق تبصرہ ہو تو مصنف اس سے بے انتہا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لارڈ میکالے نے تبصرہ سے جو فائدہ اٹھایا اس کا تذکرہ انگریزی ادب کی تاریخ کا ایک ممتاز باب ہے۔ شرر مرحوم کی ایک کتاب کا نام "بدر النساء" اور اس کی مصیبت لیکن تبصرہ کے بعد اس کے نام میں سے "کا" بر عطف حذف ہوگیا۔ اگر سمجھانے اور سمجھنے کی اہمیت سمجھ رہی ہو اور سمجھنے اور سمجھنے کی قابلیت مصنف اور مبصر دونوں رکھتے ہیں کہ کوئی ادب تبصرہ کے بغیر صحیح ترقی نہیں کر سکتا۔ نہیں جب ہم تبصرہ کو مناظرہ اور مکابرہ بنا دیں تو اس کی افادیت مفقود ہو جاتی ہے۔

سب مانتے ہیں کہ اردو ادب میں تبصرہ کے شعبے نے جو ترقی کی ہے بے نظیر ہے۔ اس کی نظیر کسی اور زبانوں میں نہیں ملتی۔ جنگ کے بعد کی افراتفری نظم کی طرح تبصرے پر بھی چھا گئی۔ اب ہم اپنی تصنیفوں کی جانچ مغربی پیمانے سے کرتے ہیں۔ معاشرت کے جنگ اور اصول ہیں تحقیق پہ کرکے ان قاعدوں کو سامنے رکھ کر تبصرے ہوتے ہیں جو مغرب کے حضرات اپنی شاعری کے لئے باندھتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ وہ قاعدے سب کے سب اعتنا کے قابل ہیں۔ لیکن کچھ مدت سے ہماری ذہنیت نوزائیدہ مصنفوں کے مغربی اصول سے متعلق بعد ازاں تقلید کی عادی ہوگئی ہے۔ جب انگلستان کے ایک عالم کہ

ے نقادوں نے یہ سمجھنے پر تکلیف نہیں کیا کہ مشق انگریزی سے ہوئی تھی۔
سے ایک نقاد نے بگاڑ کہنے میں تامل نہ کیا کہ میرے کلام کا
ت ساقط ایسا ہے کہ اسے سرِ بازار نذرِ آتش کیا جائے۔ ستم
ت کی تنقید بہت ہی حوصلہ شکن ہو سکتی ہے۔ وہ مایوس ہو یا
دوں دہشت ہو یا کوئی۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہماری سماجت
اور ادب کا ماحول کس درجے تک ان کے اصول انتقاد سمجھ
سکتا ہے۔ انتقاد اور تقلید میں جو فرق ہے کسی تاویل و تعبیر
کا محتاج نہیں۔ اب میں ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔
موجودہ حالات مستقل اور مسلسل مساعی کے طالب ہیں۔
اس کا مطالب ہے "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" اگر آپ
ماحول کو اپنے مزاج کے مطابق نہیں بنا سکتے تو خود کو اس کے
مطابق بنا لیجئے۔ جب ماحول اور عوارض میں تغیر واقع ہو اور اس
میں اور آپ میں موافقت کی اور امتزاج کی صورت نکل آئے
تو اسے معاشرت کی کامیابی اور ترقی سمجھنا چاہئے۔ جب تبدیلی کی
رفتار اتنی تیز و تند اور طوفانی ہو کہ موافقت اور امتزاج ناممکن
ہو جائے تو معاشرتی موت اس کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ جب تغیر
بیرونی اسباب کا نتیجہ ہو تو کسی احتیاط کو غیر متبدل نہیں کہہ سکتے۔
اپنے دو شعر سنا کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

مٹے جو پردہ در حقیقت مجاز کو
وہ لطف پھر کہاں جو فریب نظر میں ہے
ہے بحر زندگی میں بھی آپس کی یہ قرار
خودداری اس قدر کہ جو ہستی بشر میں ہے

محکمہ منصوبہ بندی حکومت ہند کے منصوبے

وائسرائے کونسل میں محکمہ منصوبہ بندی و ترقی کے رکن
سر اردشیر دلال نے آج اپنی پہلی صحافتی کانفرنس میں اپنے محکمہ
کی ابھی تک کی کارگزاری بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ اس محکمہ کی
مستقبل منصوبوں کی تنظیم ابھی باقی ہے۔ اس کام کے لئے تجربہ کار اشخاص کی
فراہم کرنے میں ابتدائی دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی
کہا کہ میرے محکمے کے بہت سے کام ایسے ہیں کہ جن کی ذمہ داری
صوبوں پر رہے گی۔ میرا محکمہ ملک کی مجموعی ترقی کا منصوبہ تیار
کرتے وقت موجودہ دستور ہی کو اساس قرار دے گا لیکن مستقبل
کے دستور کی شکل چاہے جیسی ہو اور صوبوں یا ریاستوں میں آگے
چل کر جیسے بھی سیاسی تعلقات قائم ہوں اس وقت ترقی کے لئے
کاروائیوں کا جو خاکہ تیار کیا جا رہا ہے اس سے سب صوبے اور
ریاستیں مستفید ہو سکیں گی۔
حکومت کو اس بات کی بڑی فکر ہے کہ وہ صنعتوں کو
منظم و تقسیم کرے جو صنعتی دور تک ہو سکے پھیلا دے البتہ اس
میں ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ ایندھن، بجلی، پانی اور اس کے علاوہ
بازار کا بھی بندوبست ہوگا۔
سر اردشیر نے بیان کے ابتدائی حصے میں کہا کہ اندر
شعبوں میں منصوبہ بندی کا کام کافی آگے تک بڑھ گیا ہے تعلیم کے متعلق
سارجنٹ رپورٹ جاری کی جا چکی ہے۔ اور اب صوبوں سے
خاص توجہ دی جا رہی ہے انہوں نے سڑکوں کے متعلق رپورٹ
کی اشاعت کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ زراعت کی پالیسی کمیٹی نے حال
ہی میں متعدد ذیلی کمیٹیاں قائم کی ہیں جو کھیتوں کے استعمال
و طریقِ زمین کے استعمال، سکیمات اور دودھ جیسے اہم مسئلوں کی
چھان بین کریں گی۔
انہوں نے کہا کہ تجارت اور صنعت کی موجودہ پالیسی
کمیٹی سے الگ صنعتوں کے متعلق ایک اور چھوٹی کمیٹی مقرر کی جائے
گی جس میں صوبوں اور ریاستوں کے نمائندے شامل ہوں گے
صوبوں سے یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی صنعتی
کمیٹیاں قائم کریں۔
سر اردشیر دلال نے آج اپنی پریس کانفرنس میں ایک
سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ
"اشتراک اور سرمایہ داری کے آمیزے کی اصولوں
میں میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو کر رہے گا صنعتی ترقیوں کے
منصوبوں کو روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں حکومت نے موجودہ معاشرتی
اور اقتصادی نظام میں کسی بنیادی تبدیلی پر غور نہیں کیا ہے"

کوبیک کانفرنس کا اختتام

کوبیک۔ ۱۷ ستمبر۔ کوبیک کانفرنس کے اختتام
اختتام پر صدر روزویلٹ اور مسٹر چرچل نے ایک مشترکہ بیان
شائع کیا ہے۔
"صدر روزویلٹ وزیراعظم مسٹر چرچل اور دونوں
حکومتوں کے چیف آف اسٹاف نے کئی دن تک جس
میں جرمنی اور جاپان کے خلاف جنگ کے تمام پہلوؤں پر
روشنی ڈالی گئی۔ بہت ہی قلیل مدت میں ان لوگوں نے
یورپی جنگ کی تکمیل کے جو اب قریب الختم ہے اور بحر الکاہل
کی وحشی قوم کی تباہی کے متعلق تصفیہ کر لیا سب سے زیادہ
وقت اور دقت یہ ہوئی کہ جاپان کے خلاف عظیم ترکاروائی
کا آغاز کرنے کے لئے اتحادی وسائل کو کس طرح مجتمع کیا
جائے۔
کانفرنس کے اختتام پر مسٹر چرچل اور صدر روزویلٹ
نے ایک صحافتی کانفرنس منعقد کی۔ برطانوی وزیراعظم نے
نمائندگان صحافت سے کہا کہ یہ کانفرنس سب کانفرنسوں
سے زیادہ کامیاب رہی۔ جاپان کی آخری شکست کے لئے
مکمل طور پر تیاریاں کر لی گئی ہیں۔
بحر الکاہل کے جنگی منطقے کی اعلیٰ کمان کا ذکر
کرتے ہوئے صدر روزویلٹ نے کہا کہ کسی ایک آدمی کو اعلیٰ
کمان سونپی نہ جائے گی۔ بحر الکاہل کا خطہ اس قدر وسیع
ہے کہ کسی ایک آدمی کو اعلیٰ کمان نہیں دی جا سکتی۔ متحدہ
اقوام کے پاس آدمیوں اور سامان جنگ کی کثیر تعداد موجود
ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کو کس طرح استعمال کیا جائے۔
صدر روزویلٹ نے کینیڈا کی مثال پیش کی کہ وہ اتحادی اقوام
کے آدمیوں میں شامل اب بھی لڑ رہے ہیں اور آئندہ بھی بحر الکاہل کی
جنگ میں حصہ لے گا۔ جرمنی میں اتحادی کامیابیاں سرعت
کے ساتھ عمل میں آ رہی ہیں۔ لیکن آپ نے کہا کہ میں جرمنی کی شکست
کے دن کو متعین کرنا نہیں چاہتا۔
مسٹر چرچل نے برطانیہ کی بحر الکاہل کی جنگ میں
کامل مساعی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ہمارا موجودہ کام اتنا ہے کہ
ہم یورپ میں زیادہ سے زیادہ فوج اتاریں اور ساتھ ہی ساتھ
جیسا بھی ممکن ہو سکے جاپان کے خلاف میں کاروائیوں سے
دریغ نہ کریں تاکہ اس وحشی قوم کو کچلی ہوئی قوموں کے آگے
رکھ دی جا سکے" آپ نے تعجب کا اظہار کیا کہ برطانیہ بحر الکاہل
کی جنگ میں حصہ لینے کے لئے کامل طور پر تیار ہیں۔ آپ نے
مزید کہا کہ کینیڈا کی فوجیں بھی مکمل تیار ہیں اور اس لئے کسی قسم
کی تیاری کر لی گئی ہے۔ بہت جلد دشمن کو اتحادی آہنی عزم
کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ (رائٹر)

ریاست نابھہ میں عدالتی زبان

"ورلگ" کا نابھہ اخبار خبر دیتا ہے کہ ریاست نابھہ میں
عدالتی زبان گورمکھی ہوگی۔ لکھا ہے "معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ
آئندہ ماہ سال کے شروع سے گورمکھی کو بطور عدالتی زبان رائج کیا
جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سمت ۲۰۰۲ سے کوئی ایسا شخص ملازمت
ریاست میں نہیں رہ جائے گا جسے گورمکھی زبان سے کچھ نہ کچھ
واقفیت نہ ہوگی"
اس اعلان کو پڑھ کر ہر شخص کے دل میں دو سوال اٹھیں
گے۔ (۱) کیا وجوہ ہیں کہ ابتدا سے اب تک مروجہ زبان کو
خارج کر کے اس کی جگہ گورمکھی زبان رائج کی جاتی ہے اور (۲)
گورمکھی زبان کون سی زبان ہے۔ اول سوال کے جواب کے
متعلق اعلان یا حکم تعقب سے کچھ مدد نہیں ملتی۔ کوئی وجہ کوئی
دلیل کوئی مقصد اس تبدیلی کی حمایت میں نہیں بتایا گیا آخر
کیا وجہ ہے کہ اس ریاست میں اردو کی جگہ عدالتی زبان گورمکھی
قرار دی جاتی ہے۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ ایسا حکم دینے
والے کے پاس کوئی معقول وجہ یا دلیل نہ تھی۔ ورنہ نئے قانون
کے شروع میں اس کے اغراض اور وجوہ واضح کئے جاتے ہیں۔
سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ والی ریاست کے خیال
میں ریاست کی حیثیت نجی ملکیت سے زیادہ نہیں۔ جس طرح
ایک بڑا دکان دار اپنے منیموں اور گماشتوں کو ہدایت کرتا
ہے کہ آئندہ انگریزی یا اردو یا لنڈوں میں بہی کے اندراج
ہوا کریں اسی طرح بعض والیان ریاست کے حکموں اور اس
کی عدالتوں کی زبان کے متعلق حکم دے دیا کرتے ہیں۔ کیا ابھی
تک یہ حقیقت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی کہ ریاست کسی
کی نجی ملکیت نہیں بلکہ وہ ریاست میں شائستہ اور صحیح حکومت
کا ذمہ دار ہے۔ حقوق کے ساتھ اس کے فرائض بھی ہیں جن
کے پورا کرنے کے متعلق وہ پبلک کے سامنے جواب دہ ہے۔
دوسرے سوال کی نسبت یہ کہنا کافی ہوگا کہ گورمکھی
زبان کوئی زبان نہیں ایک رسم خط کا نام ہے۔ گورمکھی حروف سے
جو دراصل ناگری کی بگڑی ہوئی شکل ہوتی۔ مشکل ہے۔ ہندوستان

(باقی سلسلہ صفحہ ۱۰)

حیدرآباد کے معدنی وسائل

(۳)

مرمریٹی پتھر کاربن کی ایک قدرتی شکل ہے جو صنعتی ضروریات کے لئے بہت مفید ہے۔ چنانچہ اس سے دواتیں، پگھلانے کی کٹھالیاں تیار کی جاتی ہیں اور مرمری پنسل اور رنگ بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بائلروں کو زنگ کی تہ جمنے سے محفوظ رکھنے اور پتھروں پر پالش کرنے کے کام آتا ہے اور الکٹروڈ اور بیٹریوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ خشک حالت میں یہ چکنائی پیدا کرنے کے لئے بہت مفید ہے اور اگر تیل میں ملا دیا جائے تو پرزوں کو زیادہ گھسنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

بالمپو ضلع ورنگل میں مٹی کے ساتھ دھاریوں کی شکل میں مرمر پایا جاتا ہے۔ یہ دھاریاں چند انچ سے لیکر دو فیٹ تک چوڑی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں اچھی قسم کا مرمر بھی موجود ہے۔ حسن آباد ضلع کریم نگر میں بھی تھوڑی مقدار میں مرمر پایا جاتا ہے۔ فی الحال سرس گورنمنٹ مائننگ ورکس کو ورنگل مرمر نکالنے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ۱۳۴۷ف سے ۱۳۳۲ف تک تقریباً ۴۱ ٹن مرمر نکالا گیا۔

ابرق اور سنگ زریرہ۔ سلوٹ کی شکل میں ابرق صنعتی ضروریات کے لئے بہت کار آمد ہے۔ بہترین قسم کی ابرق سنگار کا پاؤڈر اور بعض اقسام کے صابن بنانے میں استعمال کی جاتی ہے اس کے علاوہ چرم اور ربر کی صنعتوں اور دھاتوں پر پالش کرنے کے لئے بھی ابرق بہت کار آمد ہے۔ سلیٹ کی پنسل، نشان ڈالنے والی چیزیں اور سنگ ریزہ کی دوسری متعدد چیزیں تیار کرنے میں بھی یہ استعمال کی جاتی ہے۔

ممالک محروسہ کے متعدد حصوں میں ابرق پائی جاتی ہے۔ راچور کے دوآبہ میں ابرق کے مرکبات میں ابرق پرت در پرت نکلتی ہے۔ لنگسگور سے تاوڈگیری جانے والی سڑک سے متصل ایک علاقہ اور پام پور (تعلقہ لنگسگور، ضلع رائچور) میں بھی اچھی قسم کی ابرق نکلتی ہے۔

ویناپلی ضلع کریم نگر، داسن پلی ضلع ورنگل اور چھوٹ پلی تعلقہ آرمور میں متعدد قسموں کا غیر خالص سنگ زریرہ بھی پایا جاتا ہے۔ ملکہ پلی (تعلقہ سیڑم ضلع گلبرگہ) میں پہاڑ کی ایک چوٹی اسی پتھر کی ہے۔

بلند و ضلع ورنگل میں سنگار یتی کی کوئلہ کی کانوں کے گرد ابرق کی پٹیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ماہرین کے ثمبادلہ سے پنسلیں، روشنائی دان اور اقلیتیں کی شکلیں وغیرہ بنانے میں ضلع کریم نگر میں بکل بڑی کنٹہ کے قریب سنگ زریرہ نکالا جاتا ہے۔ جو سرپور کے کارخانہ کاغذ سازی میں کاغذ کو شفاف بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کل کلاپلی (تعلقہ مریال گوڑہ ضلع کریم نگر) سے دو میل کے فاصلہ پر شمال مغرب میں ایک پہاڑی واقع ہے۔ جس کے شرقی دامن میں ابرق کی چٹان ہے۔ اس چٹان سے جو ابرق نکالی جاتی ہے اس سے مقامی کاریگر مختلف ظروف بناتے ہیں۔

اعلان

محکمہ صدر ناظم و معتمد سرکار عالی صیغہ رسد

نشان (۳۶) مورخہ ۱۰؍ مہر ۱۳۵۳ف

بنفاذ ان اختیارات کے جو تحت دفعہ ۱۱ دستور العمل انسداد ذخیرہ بندی و نفع اندوزی بابتہ ۱۳۵۳ف مجھے حاصل ہیں استرے کی پتیوں (Razor Blades) کے تمام تھوک اور چلر تاجروں کو ذریعہ ہذا حکم دیتا ہوں کہ بہ پابندی شرائط ذیل قیمتوں کی فہرست اپنی دوکان کے کسی نمایاں مقام پر آویزاں کریں جس میں اعلانات محکمہ رسد نشان (۶۷) مورخہ ۴؍ تیر ۱۳۵۲ف و نشان (۱۰) مورخہ ۱۰؍ شہریور ۱۳۵۲ف کے تحت مقرر شدہ چلر قیمتوں کو صاف اور واضح طور پر درج کیا جائے گا۔

۱۔ قیمتیں واضح خط میں بلدہ حیدرآباد مستقر اورنگ آباد اور مستقر جالنہ میں بزبان اردو و انگریزی اور دیگر مقامات پر اردو اور مقامی زبان ملکی میں لکھی جائیں گی۔

۲۔ قیمتوں کی فہرست ہر اس خریدار کو بتائی جائیں گی جو صحیح قیمت ہائے فروخت کے متعلق استفسار کرے۔ فقط

شرح دستخط

منجانب صدر ناظم و معتمد رسد

مابعد جنگ معاشی منصوبہ بندی

بقیہ سلسلہ صفحہ (اول)

چین نقالی کے مرض میں مبتلا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ ہمیں دوسروں کی نقالی سے زیادہ اپنے خیالات کے لحاظ سے اپنے لئے ایک علحدہ راستہ نکالنا چاہئے۔ قوم کے لئے منصوبہ بندی کے معنے ایک نئی زندگی کے ہیں۔ صنعتوں کو قوم کی خدمت گزار بنانا چاہئے ایسے زمانہ میں جبکہ لاکھوں افراد فاقہ کی سطح تک پہنچ گئے ہیں ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہماری معاشی زندگی میں کیا خرابیاں ہیں اور ان خرابیوں کو دور کرنے کے کیا طریقے ہوسکتے ہیں۔

ہندوستان کا شمار دنیا کے آٹھ بڑے ممالک میں ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم اب تک پیداوار خام برآمد کرتے ہیں اور مصنوعات درآمد کرتے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے معاشی وسائل کی ترقی، ذرائع حمل و نقل کی توسیع، زرعی پیداوار کے لئے اندرون ملک مارکٹوں کا قیام ہندوستان کی معاشی ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔ جب ہمارے ان فطری وسائل کی اس قدر بہتات ہے تو ہماری مفلسی کی کیا وجہ ہے؟ اس میں شک نہیں کہ دنیا کے وسائل کی منصفانہ تقسیم کا کوئی طریقہ دریافت کیا جانا ضروری ہے۔ اور ایسا طریقہ دریافت ہونے تک ہمیں تامین کی ضرورت ہے۔ ایک عرصہ تک ہندوستان آزاد تجارت کے نظریہ پر کاربند رہا جس کی وجہ سے ہماری تجارت اور صنعت پست ہوگئی۔ ہمیں اب ایسی منصوبہ بندی کرنی چاہئے جو ان سارے مضرات سے محفوظ رکھے۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہمیں اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کا پورا اقتدار حاصل ہو۔

ریاست نابھہ میں عدالتی زبان

بقیہ سلسلہ صفحہ (۹)

کی تقریباً سوا دو سو زبانوں اور بولیوں میں کوئی بھی گورمکھی کے نام سے نہیں پکاری جاتی۔ مہاراجہ صاحب نابھہ مذہب سے سکھ ہیں اور سکھوں کی مذہبی کتابیں بے شک گورمکھی حروف میں لکھی ہوئی ہیں اگرچہ اس مقدس لٹریچر کی زبان اردو سے بہت ہی قریب ہے۔ ایک منٹ کے لئے اگر فرض کر لیا جائے کہ اس زبان کو جس میں مہاراجا صاحب نابھہ کے مذہب کی کتابیں لکھی ہوئی ہیں گورمکھی کہتے ہیں۔ تو کیا اب یہ دعوا کرنے لگے گا کہ جو زبان والی ریاست کے مذہب کی ہو وہی اس کی ریاست کی عدالتوں اور محکموں کی زبان ہو؟ اگر ایسا ہو سکتا تو مسلمان ریاستوں میں اگر عربی زبان کو دفتری اور عدالتی زبان قرار دیا جائے تو کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے اور رسم خط نسخ۔

نہیں کہہ سکتے کیا ہونے والا ہے۔ لوگوں کی سمجھ الٹ ہی ہوگئی ہے یا قدرت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں زندگی اور معاشرت کے ہر شعبے میں ایکتا تنگی اور ہم آہنگی کے جو کچھ بچے کچھے آثار تھے وہ بھی مٹائے جا رہے ہیں

اعلان

محکمہ صدر ناظم و معتمد سرکار عالی صیغہ رسد

نشان (۱۳۲) مورخہ ۱۰ر مہر ۱۳۵۳ف

بہ نفاذ ان اختیارات کے جو تحت دفعہ ۱۰ دستور العمل انسداد ذخیرہ بندی و نفع اندوزی بابتہ ۱۳۵۳ف مجھے حاصل ہیں میں سامان کھیل کود کے تمام تھوک اور چلر تاجروں کو ذریعہ ہذا حکم دیتا ہوں کہ بہ پابندی شرائط ذیل قیمتوں کی فہرست اپنی دکان کے کسی نمایاں مقام پر آویزاں کریں جس میں چلر فروشی کی ان قیمتوں کو جن کا تعین صدر اعظم بہادر باجلاس باب حکومت ذریعہ اعلان محکمہ رسد نشان (۱۲۷) مورخہ ۲۶ر شہریور ۱۳۵۳ف فرمایا ہے صاف اور واضح طور پر بتلایا جائے گا۔

۱۔ قیمتیں واضح خط میں بلدہ حیدرآباد مستقر اورنگ آباد اور مستقر جالنہ میں بزبان اردو اور انگریزی اور دیگر مقامات پر اردو اور مقامی زبان ملکی میں لکھی جائیں گی۔

۲۔ قیمتوں کی فہرست ہر اس خریدار کو بتائی جائیں گی جو صحیح قیمت فروخت کے متعلق استفسار کرے۔

۳۔ بیرون ہند ممالک سے راست درآمد کرنے والے تاجروں پر لازم ہوگا کہ چلر تاجروں کو جن کے اسٹاک کا دارومدار ان پر ہوتا ہے تجارت کے اس معمولی عمل درآمد کے مطابق ڈسکونٹ دیں جو جنگ کے عین ماقبل دیا جاتا تھا۔

شرحہ تخط

منجانب صدر ناظم و معتمد رسد

رسم افتتاح

نمائش مصنوعات و ترقیات مملکت آصفیہ

۱۳۴۸ف از عالی جناب نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ صدر اعظم سرکار عالی

۱۳۴۹ف حضرت شہزادہ والاشان جنرل نواب معظم جاہ بہادر بالقابہ

۱۳۵۰ف عالی جناب نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ صدر اعظم سرکار عالی

۱۳۵۱ف عالی جناب کرنل سر محمد احمد سعید خان بہادر صدر اعظم سرکار عالی

۱۳۵۲ف جلالت مآب حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ظلہم العالی

۱۳۵۳ف جلالت مآب حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ظلہم العالی

ساتویں نمائش مصنوعات و ترقیات مملکت آصفیہ بابتہ ۱۳۵۴ف کا

یکم ذی الحجہ مطابق ۴ر اردی ۱۳۵۴ف کو افتتاح ہوگا۔

احمد پریس چار مینار میں طبع ہو کر دفتر سلکت سے شائع ہوا۔